مقالات

اسلام اور موجودہ مدنی مسائل

از جناب مولانا حکیم محمد عبدالرؤف صاحب داناپوری

[مولانا ممدوح نے جامعہ ملیہ دہلی کی مجلس دینیات کے سامنے جو مقالہ اسلام اور موجودہ مدنی مسائل کے عنوان سے پڑھا تھا، اس کا وہ حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے جس میں سیاسیات اور معاشیات پر بحث کی گئی ہے]۔

نظام حکومت: جب سے انسان نے اجتماعی زندگی شروع کی، اسی وقت سے کسی نہ کسی پیمانہ پر نظام حکومت اور قانون سازی کا سلسلہ بھی جاری ہے اور ہر زمانہ میں بہترین انسانی عقول اور انسانی قوتیں نظم حکومت اور قانون کو زیادہ سے زیادہ مفید بنانے میں مصروف ہوتی رہی ہیں۔ حکومت کے ہزارہا نظام اور قوانین کے صدہا اصول بنائے گئے، لیکن مقصود اصلی کے لیے کوئی مکمل نظام مرتب نہ ہو سکا۔ اصل مقصود یہ تھا کہ اجتماعی زندگی میں انسان کی اجتماعی طاقت انسان کی ترقی میں صرف ہو سکے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے دو باتیں نہایت ضروری تھیں۔ امن اور حقوق کی صحیح تقسیم۔ انہی دو باتوں کے لیے نظام قانون سازی کی ابتدا ہوئی۔

مقصد اصلی تو یہ تھا۔ مگر ہوا کیا؟ یہ کہ ایام قبل تاریخ و بعد تاریخ (زمانۂ جاہلیت) میں انسان کی اجتماعی طاقت بہت سے چھوٹے چھوٹے حصوں میں بٹ گئی اور انسانی نسل کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ وطن اور خاندان اور نسل کی بنا پر بہت سی جدا جدا قومیں بن گئیں اور ساری قومیں اپنے اپنے تفوق اور

برتری کا دعویٰ کرنے لگیں۔ حقوق کو صحیح طور پر سمجھنے کے بجائے قومیت کے معیار پر استحقاق کو دیکھا جانے لگا۔ عصبیت قومی سب سے زیادہ قابلِ تعریف شے سمجھی جانے لگی۔ حق و باطل کا امتیاز قومی تعصبات کے اندر فنا ہو کر رہ گیا۔

زمانۂ وسطیٰ میں نظامِ حکومت اور قانون سازی کے بے شمار طریقوں کا تجربہ ہوا۔ شخصی سلطنتیں قائم ہوئیں۔ مخلوط حکومتیں بنیں۔ جمہوری نظام قائم ہوا۔ طرح طرح کے قوانین بنائے گئے۔ بے حد و حساب اصلاحات ہوتی رہیں۔ لیکن زمانۂ جاہلیت کی قائم شدہ قومی تفریق نے سب کو مٹا دیا اور ہمیشہ اس تفریق نے دنیا کو فتنہ و فساد میں مبتلا رکھا۔ قوموں کی قومیں، ملک کے ملک انسانی نسل کی اسی قومی تفریق کی وجہ سے فنا ہو گئے۔

اس وقت جس دور کو انسانی ترقی کا بہت روشن دور سمجھا جاتا ہے، جس میں علوم و صنائع کمال تک پہنچے ہوئے ہیں، اس میں بھی اسی جاہلیت کی قومی تفریق نے سب سے زیادہ آفت مچا رکھی ہے۔ یورپ اس وقت ترقی یافتہ اور سمجھدار خطہ ہے۔ وہاں ہر طرف جمہوری حکومتیں قائم ہیں لیکن جمہوریت کی بنیاد بھی اسی قومی تفریق پر رکھی گئی ہے۔ اس وقت قومیت کے معنی وطنیت کے ہیں، یعنی ایک وطن اور ایک ملک کے باشندے اپنی فلاح و بہبود کے لیے، اپنی قومی و ملکی برتری کے لیے جس طرح چاہیں قانون بنائیں، کوئی قوت ان کو اس سے نہیں روک سکتی۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہاں کی ساری قومیں ایک دوسرے کی دشمن ہو رہی ہیں۔ علوم و فنون، فلسفہ و سائنس، صنعت و حرفت جو انسانی ترقی کے ذرائع ہیں، وہاں بڑے سے بڑے پیمانہ پر ان سے انسان کو تباہ و برباد کرنے کا کام لیا جا رہا ہے۔ شخصی حکومتوں کے زمانہ میں اشخاص ایک دوسرے کو ستاتے تھے۔ قوی ضعیف پر ظلم کرتا تھا۔ دولتمند غریب پر مصیبتیں نازل کرتا تھا۔ اب جمہوریت کے زمانہ میں ایک قوم دوسری قوم سے لڑتی ہے۔ طاقت ور قوم ضعیف قوم کو تباہ و برباد کرتی ہے۔ دولت مند قوم غریب قوم کو لوٹتی بلکہ فنا کر دیتی ہے۔ بہر صورت نسلِ مشترکہ

جس سے یہ مصیبتیں نازل ہوتی ہیں، وہی قومی تفریق، وہی جاہلیت کا قومی تعصب، وہی آبائی رسم کی قومیت ہے۔ جمہوریت اور اعلیٰ قانون سازی کے دعووں نے اس کو مٹایا نہیں، اور بڑھا دیا۔ اس ناجائز قومیت کے ساتھ جب تک شخصیت تھی دنیا کے لیے وہ عام خطرہ نہ تھا جو آج جمہوریت و قومیت کے جمع ہو جانے سے نظر آ رہا ہے۔

یورپ کے عقلا اور سیاسیین اس وطنیت کے بڑھتے ہوئے فتنوں سے ناواقف نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یورپ کے لیے یہ مرض لاعلاج ہو چکا ہے اور یہی چیز اس کو تباہ کر کے رہے گی۔ یورپ نے اس کا ایک علاج سوچا تھا، یعنی انٹرنیشنل کانگریس لیکن انٹرنیشنل قانون کی دھجیاں بکھر چکیں۔ وہ بے دست و پا ہو کر رہ گیا۔ جہاں کا ہر شخص نیشنلزم میں فنا ہو وہاں انٹرنیشنل قانون کا مخلص حامی کہاں سے آئے؟ نیشنل قانون کی حمایت ہیں ساری قومیں علیحدہ علیحدہ بٹ چکیں، انٹرنیشنل قوم کہاں سے پیدا کی جائے؟

انسان اور انسانی نسل کو وطن یا خاص خاص نسلوں کی بنا پر بے شمار قوموں میں تقسیم کر دینا دنیا میں سب سے بڑی لعنت ہے جو جڑ پکڑ چکی ہے۔ ابتدا میں جب انسان نے اجتماعی زندگی شروع کی تھی اس وقت حفاظت کے لیے اس کی ضرورت ہوگی۔ مگر آج قومیت کے اس ابتدائی جاہلیت کے معیار کو قائم رکھنا انسانی زندگی کے لیے مصیبت عظمیٰ ہے۔ یہ تقسیم ہمیشہ عالم انسانی کے امن و امان کو تباہ و برباد کرتی رہی ہے اور کرتی رہے گی۔ قومیت کا یہ معیار قائم رہا تو حکومت کے قاعدے میں جس قسم کی تبدیلی بھی کی جائے اس سے دنیا کا امن بحال نہیں ہو سکتا۔ حکومت خواہ شخصی ہو یا جمہوری نازی ہو یا فاسسٹ، سوشلسٹ ہو یا کمیونسٹ، جب تک اس کے ساتھ قومیت اور عصبیت باقی رہے گی، دوسری قوموں کے لیے وہ آفت ہی رہے گی۔ اصل ضرورت یہ ہے کہ قومیت کے وطنی معیار کو مٹا دیا جائے، اور اس تفریق کے مٹانے کا مطلب ہی یہ ہے کہ تمام دنیا کے انسان ایک اخوت کی بندش میں شامل ہو جائیں۔

اس مصیبت کا علاج صرف اسلامی تعلیم کے اتباع سے ہو سکتا ہے۔ اس کے سوا اور کوئی ممکن العمل صورت موجود نہیں ہے۔ اسلام نے بڑی سختی سے عصبیت قومی اور نخوت جاہلیت کو روکا۔ حضور صلعم نے فتح مکہ کے روز اس قومی تفریق اور نسبی تفاخر کو اپنے پیروں سے روند کر مٹا دیا۔ عرب و عجم کو ایک اخوت کے رشتہ میں منسلک کر دیا۔ فرمایا کونوا عباد اللہ اخوانا۔ اور فرمایا المومنون کرجل واحد ان اشتکی عینہ اشتکی کلہ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی تعلیم سے ایک ایسی قوم پیدا ہوئی جس میں ہزارہا قومیں مدغم ہو کر ایک بڑی قوم بن گئی جس کا نام "مسلم قوم" ہے۔ اس کے اجزا ترکیبی کو دیکھو تو اس میں صدہا بلکہ ہزارہا ایسی قومیں ملیں گی جن کو ایک دوسرے سے مطلقاً کوئی نسبت نہ تھی۔ ترکی، تاتاری، شامی، عربی، مصری، عراقی، ایرانی، افغانی، حبشی، مغربی، مغل، ہندی، سندھی، چینی اور اقطاع عالم کی بے شمار قومیں ایک رنگ میں رنگ گئیں۔ عقائد و عبادات ہی میں نہیں، معاشرت اور معاملات کے مسائل میں بھی سب ایک ہو گئے۔ کھانا، پینا، حلت و حرمت کا امتیاز، ذبیحہ کا طریقہ، شادی بیاہ، موت و غم، ساری باتوں میں ایک رنگی و یکجہتی پیدا ہو گئی۔

اسلام نے متحدہ قومیت کو اصول قرار دے کر نظام حکومت کے بہت سے ارکان لازمی قرار دیے تھے۔ ان میں سے ایک اہم چیز یہ تھی کہ ایک وقت میں مسلمانوں کی دو مستقل حکومتیں نہیں ہو سکتیں۔ مسلمان کسی ملک، کسی قوم و نسل اور کسی مرتبے کے ہوں، ان پر فرض ہے کہ سب مل کر ایک کو خلیفہ بنائیں اور اسکی بیعت کریں۔ دوسرا کوئی خلافت کا دعویٰ کرے تو اس کی گردن مار دیں۔ ابو داؤد کی روایت ہے من مات و لیس فی عنقہ بیعۃ فمات میتۃ الجاھلیۃ۔ اور صحیح مسلم کی روایت ہے۔ اذا بویع للخلیفتین فاضربوا عنق الاخر۔

اسلام نے اس طرح عصبیت قومی کا خاتمہ کر کے فتنہ و فساد کی جڑ کاٹ دی تھی۔ مسلمان اگر اسلام کی اس تعلیم پر مستحکم رہتے تو مسلمانوں کی اندرونی تاریخ آج بالکل دوسری ہوتی۔ لیکن افسوس ہے کہ اسلام

کی اس اہم اور صریح تعلیم کے موجود رہتے ہوئے بھی قومیت کے جاہلانہ تفاخر کو پوری طرح مسلمان ترک نہ کر سکے۔ مسلمانوں کی اندرونی خونریزیوں کی تاریخ ایک ایک کر کے پڑھ جاؤ۔ معلوم ہوجائے گا کہ ان سب کی اصل وجہ یہی قومی عصبیت اور جاہلانہ قومی تفاخر ہے۔

جمہوریت قانون سازی کا اختیار ہر قوم کو علیحدہ علیحدہ دیتی ہے، اور ہر قوم صرف اپنے فوائد کو پیش نظر رکھ کر قانون بناتی ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک جمہوریت دوسری سے ٹکرا جاتی ہے! اسلام نے یہ نہیں کیا کہ کسی قوم کو قانون سازی کا اختیار نہیں دیا۔ بلکہ بلا لحاظ قومیت و وطنیت، تمام اہم اور مشترک امور کے لیے قانون یا اصول قانون خود مرتب کر دیا۔ البتہ ملکی خصوصیات اور وقتی ضروریات کے لحاظ سے ضمنی قوانین یا جزوی مسائل کے استنباط کا حق ہر ملک کے مجتہدین اور اہل حل و عقد کو عطا کیا۔ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھے پیمانہ پر حکمرانی کر کے ایک نظیر سامنے رکھ دی۔ اس لیے اسلامی دائرے میں رہ کر قومی تصادم کا راستہ مسدود ہوگیا۔

خلفاء راشدین کے بعد مسلمانوں میں بھی اکثر جہالت کا پرانا قومی جذبہ بھڑک اٹھتا تھا اور اسی وجہ سے مسلمانوں کی اندرونی تاریخ بھی آپس کی لڑائیوں سے خالی نہیں۔ تاہم جن قوموں نے اسلام قبول کیا ان میں وہ مغائرت باقی نہیں رہی جو اسلام سے پہلے تھی یا جو اب بھی ان لوگوں میں موجود ہے جو اسی قوم کے لوگ ہیں مگر مسلمان نہیں ہیں۔

مسلمانوں میں بھی مذہبی اختلافات ہیں۔ مگر ان اختلافات سے مغائرت پیدا نہیں ہوتی۔ دنیا میں کوئی قوم ایسی موجود نہیں ہے جس میں اس قسم کے اختلافات موجود نہ ہوں۔ ایسے اختلافات مٹ نہیں سکتے۔ یہ اختلافات علم، فہم، ادراک اور ذکاوت کے فرق کی وجہ سے ہیں۔ جس طرح دو آدمی شکل و صورت میں بجمیع وجوہ یکساں نہیں ہیں، اسی طرح فہم و ذکاوت میں بھی یکساں نہیں ہیں۔ لہذا فرق مراتب کی وجہ سے ایک ہی چیز کا مطلب سمجھنے میں اختلاف کرتے ہیں۔ ایسا اختلاف ایک نسل، ایک ملک، ایک

خاندان اور ایک گھر کے افراد میں بھی ہوتا ہے۔ اس سے مغائرت پیدا نہ ہونی چاہیے۔ ایسا اختلاف اگر ضد اور جہالت کی وجہ سے ہو تو برا ہے۔ اور علمی وجوہ کی بنا پر ہو تو باعث رحمت ہے۔

اقتصادیات دنیا کا دوسرا اہم ترین مسئلہ اقتصادیات کا انتظام ہے۔ ہر ملک کی انسانی آبادی کا ایک حصہ ایسا ہوتا ہے جو اپنی کم سے کم ضروریات زندگی بھی مہیا نہیں کر سکتا۔ بیوہ، یتیم، نابینا، معذور، مجبور، فقرا، مساکین وغیرہ سے کوئی ملک خالی نہیں ہے۔ حکومت اور سلطنت کو ایسے لوگوں کی کفالت کا ذمہ دار ہونا چاہیے۔ ہر ملک میں مستقل انتظام ہونا چاہیے کہ اس قسم کا کوئی انسان بھوکا نہ رہ جائے مگر جہاں تک دنیا کی تاریخ اور حکومتوں کے قوانین کا حال معلوم ہے، کسی سلطنت نے کبھی اس ذمہ داری کو قبول نہ کیا۔ قوانین ملک میں کبھی ایسے لوگوں کو کوئی مستقل جگہ نہ دی گئی۔ آج ساری جمہوری اور شخصی سلطنتوں کو دیکھا جاؤ۔ جدید تمدن کے سارے مدعیوں کا جائزہ لو۔ ایسے لوگوں کے لیے کوئی مستقل انتظام کسی ملک میں موجود نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کی زندگی محض اہل خیر کے رحم و کرم پر موقوف رہی ہے یا سلاطین یا حکومتوں نے، پہلے یا موجودہ زمانہ میں جب کبھی ایسے لوگوں کے ساتھ کوئی سلوک کیا ہے تو اسے احسان سمجھا کبھی وہ اس کے لیے قانوناً مجبور سمجھے نہ ہیں، اور نہ انہوں نے اس ذمہ داری کو قبول کیا ہے۔

اسلام اور صرف اسلام ہے جس نے اس کو حکومت کا سب سے زیادہ ضروری کام قرار دیا ہے۔

اسلام کا اقتصادی قانون اس بنیاد پر قائم ہے کہ ہر مسلمان پر زکوٰۃ فرض ہے، ٹھیک اسی طرح جس طرح نماز، روزہ اور حج فرض ہے۔ کوئی مسلمان زکوٰۃ کی فرضیت سے انکار نہیں کر سکتا اور جو انکار کرے وہ مسلمان نہیں رہ سکتا۔ اسلامی حکومت کا اولین فرض یہ ہے کہ بیت المال قائم کرے اور زکوٰۃ کے اموال کو ایسے مجبور لوگوں پر خرچ کرنے کا انتظام کرے۔ اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ اسلامی حکومت جبراً وصول کرے گی۔ اموال باطنہ جن کا حال حکومت کو معلوم نہ ہو سکے، ان کی زکوٰۃ ادا کرنا بھی ہر مسلمان پر فرض ہے، اور بغیر اس فرض کو ادا کیے نجات نہیں ہو سکتی، البتہ ان اموال کا اختیار مالک

نصاب کو ہے۔ خود مستحقین کو دے دے یا وہ بھی بیت المال میں داخل کر دے۔

اسلام کی تعلیم کی رو سے ملک کے کل اموال نامیہ کا چالیسواں حصہ اور کل پیداوار کا دسواں یا بیسواں حصہ، اور کل جانوروں کا ایک مقررہ حصہ ہر سال ایسے لوگوں پر صرف کرنے کیلیے مخصوص ہے اور اسلامی حکومت ذمہ دار ہے کہ یہ سب مال صحیح طور پر ایسے لوگوں میں تقسیم کیا جائے۔ کیا ابتدائے آفرنیش سے اب تک دنیا کے عقلاء نے کسی قوم یا کسی حکومت نے کبھی کوئی قانون یا کوئی قاعدہ ایسا بنایا ہے جو ایسے مجبور انسان کے لیے اس سے بڑھ کر یا اس کے مثل مفید ہو اور قابل قبول بھی ہو؟ یہ صرف اسلام کی خصوصیت ہے۔

سرمایہ داری اور غربت ہمیشہ ہر ملک اور ہر قوم کی یہ حالت رہی ہے کہ ملک کا مختصر طبقہ دولتمند اور سرمایہ دار ہوتا ہے اور اس ملک کا بڑا حصہ غریب اور مفلس ہوتا ہے۔ سرمایہ دار دولت کی طاقت سے غریبوں کو ستاتے ہیں، مجبور رکھتے ہیں، ان سے جفاکشی اور محنت کا کام لیتے ہیں، لیکن ان کی اور ان کے اہل وعیال کی ضروریات کے قابل بھی معاوضہ نہیں دیتے۔ انہی غریبوں اور محنت کرنے والوں کی محنت سے بہت کچھ نفع حاصل کرتے ہیں، اور ناجائز عیش وعشرت میں صرف کرتے ہیں۔ لیکن مزدوروں کا حق المحنت کبھی بالکل نہیں دیتے، کبھی مشکل بہت کم دیتے ہیں۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ سرمایہ دار سب ایک طرح کے ہوتے ہیں۔ نہ یہ مطلب ہے کہ سرمایہ داری فی نفسہ بُری چیز ہے۔ تمدن ومعاشرت کی ترقی کا ایک ضروری جز سرمایہ ہے۔ علمی اور صنعتی ترقیوں میں زبردست حصہ سرمایہ داروں کا ہے۔ اسلام نے مال کو حیات دنیا کی زینت کہا ہے۔ سرمایہ داری کو خدا کا فضل بتایا ہے۔ دولتمندی خدا کی نعمت ہے، وہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ لیکن واقعہ یہی ہے کہ سرمایہ داری کے ساتھ کبر وغرور اور ظلم بھی عموماً ساتھ ہی ساتھ آتا ہے جو دنیا کی بدترین لعنت ہے۔

ہمیشہ اور ہر زمانہ میں سرمایہ داری اور دولتمندی کے ان تلخ نتائج کو روکنے کی عقلاء نے کوشش کی، مگر قطعاً کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا حتی کہ بڑے بڑے غور و فکر کرنے والے یہ کہنے لگے کہ دنیا غریبوں کے رہنے کی جگہ نہیں ہے یعنی ان مظالم کا سدباب ناممکن ہے، اور منکرین کی ایک جماعت اس نتیجہ پر پہنچی کہ اصلاح کا طریقہ صرف یہ ہے کہ سرمایہ داری ختم کر دی جائے اور اقتصادی مساوات قائم کر دی جائے۔

اقتصادی مساوات کی تحریک بھی غیر معلوم مدت سے دنیا میں جاری ہے۔ ایک وقت یونانیوں میں اس کا بڑا زور ہوا تھا۔ دوسری دفعہ ایران کے مزدکیوں نے تقریباً ڈیڑھ سو برس تک پورے ایران میں پوری قوت سے اس کو جاری رکھا۔ مگر کوئی مفید نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ بلکہ سارا ملک تباہی میں مبتلا ہو گیا۔ یہی تحریک کچھ اصلاح کے ساتھ اب سوشلزم کے نام سے تقریباً یورپ کے کل ملکوں میں زور پکڑ رہی ہے اور یہی تحریک کچھ عملی تبدیلی کے ساتھ کمیونزم کے نام سے روس کے نظام حکومت کی بنیاد بنی ہوئی ہے۔

میں نہایت اختصار کے ساتھ عرض کرونگا کہ مساوات حقیقی یا اقتصادی مساوات کی تحریک جس قسم کی بھی ہو، غیر فطری، غیر مستقل، اور سخت مضر ہے۔ اسلام ایسی تحریکوں کو پسند نہیں کرتا اسلام نے جس قسم کی مساوات کا حکم دیا ہے وہ اور چیز ہے جیسا کہ آگے معلوم ہوگا۔

مساوات حقیقی یا اقتصادی مساوات اقتصادی مساوات کو اصول قرار دینے کی اب تک دو صورتیں معلوم ہو سکی ہیں۔ ایک یہ کہ ملک کے جمیع اموال قابل انتفاع میں اباحت مطلقہ ہو، یعنی جس شخص کو جس چیز کی حاجت ہو اس سے کوئی اس کو روک نہ سکے، جیسا کہ مزدکیوں کا اصول تھا۔ اس صورت کا تجربہ ہو چکا کہ اباحت مطلقہ کے ساتھ نظم ملک ناممکن ہے، اور نظم نہ ہو تو تباہی بھی لازم ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ملک کی کوئی قابل انتفاع چیز کسی کی ملک خاص نہ ہو، بلکہ سب چیزیں اہل ملک کی مشترک ملک ہوں

جیسا کہ سوشلزم اور بالشوزم کا مشترک اصول ہے۔ اس صورت میں نظم حکومت ممکن ہے، لیکن استقلال ناممکن ہے۔ اس لیے کہ ملک کی پوری قوت اور ساری دولت عملاً حکومت اور فوج کے اقتدار میں ہوجائے گی گو اسے قانونی الفاظ میں کتنا ہی محدود کیا جائے، اور رعایا کی ساری قوت مسلوب ہوجائے گی، اتنی بھی نہ رہے گی جتنی سرمایہ داروں کے نظام جمہوریت میں رہتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ حکومت کی باگ جب تک ایسے لوگوں کے ہاتھ میں رہے گی جو ایثار پیشہ ہوں اور قانون کا اتباع کریں، نظم قائم رہے گا لیکن اگر ارباب حکومت اور فوج قانون توڑنا چاہیں تو رعایا بالکل مسلوب الاختیار ہوگی اور حکومت کے غیر قانونی افعال کی اتنی بھی مدافعت نہ کرسکے گی جتنی سرمایہ دار ممالک کی رعایا کر لیتی ہے

سوشلزم اور بالشوزم کی تحریک کا نتیجہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فوری طور پر غربا اور فرودست لوگوں کی حالت سنبھل جائے گی، اور ان کو بہت سے مصائب سے نجات حاصل ہوجائے گی۔ یہی چیز ہے جس سے یہ تحریک آبادیوں کے کثیر حصہ کی دلچسپی اور کشش کی باعث بنی ہوئی ہے مگر ظاہر ہے کہ نتیجہ کے اعتبار سے یہ تحریک ملک کی سخت تباہی اور بربادی کا سبب بنے گی۔ ملک کی تمام مادی و اقتصادی قوت کو ایک جگہ جمع کردینا اور افراد ملک کو بالکل مفلوج بنا دینا سخت خطرناک طریقہ ہے۔ یہ کہنا کہ ملک کی جمع شدہ قوت و دولت قانوناً ملک کے افراد ہی کے قبضہ میں رہے گی، بڑا سخت دھوکا ہے قانونی قبضہ اور عملی قبضہ میں بڑا فرق ہے۔ روس کی تحریک ابھی ابتدائی منزل میں ہے، اور اب تک انہی لوگوں کے ہاتھوں میں رہی ہے جو مخلص تھے، اور اپنے اصول کی خاطر ہر طرح کے ایثار و قربانی کے لیے طیار رہے لیکن ان کے ایثار و قربانی سے تحریک کے خطرناک پہلو کا سد باب نہیں ہوسکتا۔

اس کے علاوہ اگر اس خطرہ کا سد باب بھی ہوجائے اور دنیا میں اقتصادی مساوات قائم بھی ہوجائے تو یہ چیز دنیا کے لیے مفید نہیں ہوسکتی۔ مضر ہوگی۔ فطرت اور منشاء الٰہی کے خلاف ہوگی دنیا کا تمام کام اختلاف مراتب کی وجہ سے چل رہا ہے۔ اقتصادی فرق ہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے

انسان بڑے سے بڑا مشکل اور خطرناک کام انجام دے سکتا ہے۔ اسی فرق کی وجہ سے انسان سخت سے سخت دماغی اور جسمانی جد وجہد پر مجبور ہوتا ہے اور یہی جد وجہد اور مسابقت ہر طرح کی علمی و صنعتی ترقی کا ذریعہ بنتی ہے۔ فرق مراتب اور مالی امتیازات مٹا دیے جائیں تو علمی و عملی کاموں کی تکمیل بالکل ناممکن ہو جائے گی۔

اسلام نے نہ حقیقی مساوات کی تعلیم دی ہے، نہ اس کو قبول کیا اور نہ جائز رکھا ہے۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے، حضورؐ نے فرمایا: انزلوا الناس منازلھم۔ امیر کی اطاعت ہر مسلمان کے لیے لازمی قرار دی۔ ہر جماعت اور ہر خاندان کے لیے امیر و مامور کا سلسلہ قائم کر دیا، حتّٰی کہ حکم دیا اذا کنتم ثلٰثۃ علی السفر فلیؤمروا احدکم۔ یعنی تین آدمی سفر میں ہوں تو اپنے میں سے ایک کو امام بنالیں۔ امیر و مامور کے علیحدہ حقوق بتا دیے۔ افراد و اشخاص کی ملکیت کو جائز تسلیم کیا، جائداد منقولہ میں بھی اور غیر منقولہ میں بھی۔ اسی بنا پر کسی پر زکوٰۃ فرض ہوئی، کسی پر نہیں، کسی کو زکوٰۃ لینے کی اجازت دی، کسی کے لیے حرام کر دیا۔ کسی پر حج فرض کر دیا، کسی پر نہیں۔ ملکیت ہی کے جواز پر فرائض کا قانون لازمی قرار دیا۔ کسی شخص کا مال بغیر اجازت جبراً لینا ناجائز کیا۔ حلال مال کے حصول و طلب کی رغبت دلائی۔ تجارت، ملازمت، حکومت، صنعت و حرفت اور مال جمع کرنے کے سارے حلال وسائل کی ترغیب دی۔

یہ ساری باتیں اس پر دال ہیں کہ اسلام نے انسان کے فرق مراتب کو جائز رکھا ہے اور اس کے ملحوظ رکھنے کی تاکید کی ہے۔ سرمایہ داری کو جائز رکھا ہے اور خاص اسلامی احکام میں بھی اس فرق کو ملحوظ رکھا ہے۔ باوجود اس کے سرمایہ داری کے مذموم اثرات کو روکنے کا ایسا مکمل انتظام کیا ہے جو نہ سوشلزم سے ہو سکتا ہے نہ کمیونزم سے۔

سرمایہ داروں کے مذموم طریقے | جس طرح سائنس فی نفسہٖ مذموم چیز نہیں ہے بلکہ انسان، انسانی قوت، انسانی تمدن اور معاشرت کی ترقی کا بہت بڑا ذریعہ ہے لیکن جب اس چیز کو انسان کی ہلاکت و تباہی اور ملک کی بربادی کے لیے استعمال کیا جائے تو وہ دنیا کے لیے مصیبت بن جاتی ہے، یہی حال

سرمایہ داری کا ہے۔ سرمایہ دار اگر اموال دنیا کو اچھے مصرف میں صرف کریں تو دنیا کو خوشحالی اور نیکی سے معمور کر سکتے ہیں، اور جن کو اللہ پاک توفیق عطا فرماتا ہے وہ یہی کرتے ہیں۔ لیکن زیادہ تر یہ ہوتا ہے کہ سرمایہ دار سرمایہ کی قوت سے غریب اور مفلس لوگوں کی جائدادیں اور مختصر زندگی کا سامان بھی چھین لیتے ہیں اور انہیں تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔

سرمایہ دار کرتے یہ ہیں کہ غریبوں کو لالچ دے کر اپنی طرف کھینچتے ہیں اور رفتہ رفتہ ان کا خون چوس لیتے ہیں۔ دولتمندوں نے دولت کے ذریعہ سے ملک کی دولت جمع کرنے کے بہت سے طریقے ایجاد کیے اور برابر ایجاد کرتے رہتے ہیں۔ ان ترکیبوں میں سب سے زیادہ اہم اور عام چیز ربوٰا (سود) کا کاروبار ہے۔ ربوٰا کا اصول یہ ہے کہ مال بغیر کسی محنت کے خود نفع پیدا کرے اور صاحب مال کسی نقصان کا ذمہ دار نہ ہو۔ تاجر کتنی ہی ہوشیاری و محنت سے کام کرے، کاریگر کتنی ہی جفاکشی و دیانت سے چیزیں بنائے، نقصان سے بے خطر نہیں ہو سکتا۔ اور سود خوار کتنا ہی کم سود لے مگر اس کا نفع مستقل اور پائدار ہوگا۔ اس کو کسی خطرہ کا اندیشہ نہیں ہے، نہ اس کو جفاکشی اور محنت کرنی پڑتی ہے۔

بیع کی بے شمار قسمیں سرمایہ داروں نے ایسی بنائی ہیں جو صرف کشش زر کا ذریعہ ہیں۔ مثلاً سٹہ یا بغیر مال کے فرضی بیع اور بیع در بیع۔ یہ بیع نہیں ہے، نہ بیع کے لیے کوئی چیز موجود ہوتی ہے محض سرمایہ جمع کرنے کا ذریعہ ہے۔ انشورنس سرمایہ داروں کی نئی ایجاد ہے اور بڑی کامیاب ایجاد۔ زندگی کا بیمہ کرتے ہیں، چیزوں کا بیمہ کرتے ہیں، مکان کا بیمہ کرتے ہیں اور گویا اموال اور زندگی کے تحفظ کا ایک حد تک ذمہ لیتے ہیں اور اسی ذمہ داری کے بدلے بے حساب دولت سمیٹ لیتے ہیں۔ غور کرو کہ یہ بیمہ کمپنیاں تھوڑے دنوں میں کس طرح یہ دولت سمیٹتی ہیں؟ یہ دولت کہاں سے آتی ہے؟ مزدور اپنا پیٹ کاٹ کر، کاریگر اپنا خرچ گھٹا کر، تاجر اپنے نفع نقصان سے بے پروا ہو کر جو کچھ اپنا

اپنا مال ان کمپنیوں کے حوالہ کر رہے ہیں۔

موجودہ دور کی عجیب حالت ہے یہ لوگ سرمایہ داروں کے مظالم سے تنگ آگئے ہیں مختلف ملکوں کا بڑا حصہ سرمایہ داری کو بالکل مٹا دینے کا حامی ہے۔ باوجود اس کے دولتمندوں کے ان تمام ہتھکنڈوں کی تائید کی جارہی ہے جن پر سرمایہ داری کی بنیاد قائم ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس نمائشی مخالفت کے باوجود سرمایہ داری کو جو طاقت حاصل ہے وہ کبھی نہ تھی۔

اسلام نے نفس سرمایہ داری کو جائز رکھا ہے، مگر اس سرمایہ داری کو جو حلال، صحیح، اور غیر مشتبہ طریقہ سے حاصل ہو۔ سرمایہ داروں کے تمام مکر و فریب کے طریقوں کی اس نے سختی کے ساتھ مخالفت کی ہے اور سب کو ناجائز اور حرام کہا ہے۔ سود، جوا، سٹہ بازی، بیمہ یعنی قسمت کی بازی، بیع کی ساری مجہول اور فرضی قسمیں، سب ناجائز اور حرام ہیں اور جو سرمایہ ان طریقوں سے جمع ہو وہ بدترین سرمایہ ہے۔

ربوا یعنی سود خواری اسلام نے سود خواری کی بڑی سختی سے مخالفت کی ہے۔ سود خواری کو خدا کے ساتھ جنگ کہا گیا ہے حضور صلعم نے سود خواروں کے ساتھ کبھی مصالحت نہ کی۔ نجران کے نصاریٰ کے ساتھ مصالحت کرتے وقت جو صلح نامہ لکھا گیا اس میں صاف طور سے حضور نے ظاہر کر دیا کہ تم میں سے جو صاحب وجاہت سود کھائے گا اس کا میں ذمہ نہیں لیتا۔ اطراف مدینہ میں یہود کے قبائل آباد تھے اور بڑے سود خوار تھے۔ یہود مشہور سود خوار قوم رہی ہے۔ ان کا مدینہ کے اطراف میں رہنا آپ نے کسی شرط پر منظور نہ کیا۔ قرآن پاک نے سود خوار کی سزا خلود فی النار بتائی ہے جو کفر و عناد کی انتہائی سزا ہے۔ یہ سب سختیاں اسی لیے ہیں کہ سود خواری کے ساتھ دنیا کی اقتصادی حالت کبھی درست نہیں ہو سکتی۔

سود کی حالت یہ ہے کہ مال مقررہ نفع پر غریبوں میں، تجارت کرنے والوں میں، کاریگروں میں

مزدوروں میں اور کاشتکاروں میں پھیل جاتا ہے اور ان سب کی محنت و مزدوری کی کمائی کا ایک مستقل حصہ سرمایہ دار کے پاس جمع ہوتا رہتا ہے۔ ہر کام میں خسارہ اور نقصان بھی ہوتا ہے۔ وہ سارا نقصان محنت کرنے والے کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ سرمایہ دار اس نقصان میں شریک نہیں ہوتا بلکہ نقصان کی حالت میں بھی وہ اپنا نفع غریب سے وصول کرتا ہے۔

سودخوار سب سے پہلے اپنے دوستوں کو، اپنے قبیلہ اور اپنی قوم کو، پھر ان سب کو جو اس کے ساتھ معاملہ کریں تباہ کر دیتا ہے۔ اور دوستی و ہمدردی کے ساتھ ان کا سب کچھ لوٹ لیتا ہے۔ ہمیشہ سے یہود دنیا کی مشہور سودخوار قوم ہے۔ اسی لیے یہودیوں کی یہ حالت ہے کہ جو ان میں دولت مند ہیں ان کی دولت کی انتہا نہیں ہے اور جو غریب ہیں ان کی پستی و ذلت کی بھی انتہا نہیں ہے۔ ہندوستان میں ہندوؤں کی ایک قوم ویش (بنیا) مہاجن اور سودخواری میں مشہور رہی ہے۔ اس قوم کی سرمایہ داری اور دولت مندی کی بھی انتہا نہیں ہے، مگر یہ دولت کہاں سے آئی؟ کیونکر آئی؟ اپنی ہی قوم کی غریب جماعت کو ان مہاجنوں نے تباہ کر دیا، ان کی کوڑی کوڑی چھین لی اور شودر بنا دیا، تب یہ دولت جمع ہوئی ہے اور اب بھی اسی سودخواری کی لوٹ سے تباہ ہو ہو کر بہت سے کاشتکار اور مزدور پیشہ شودر بنتے جا رہے ہیں جن کا کوئی پوچھنے والا تک نہیں۔

یہود سودخواروں نے بالخصوص اور سرمایہ داروں نے علی العموم اس وقت دنیا میں بنکنگ کا جال پھیلا دیا ہے اور اس ذریعہ سے دنیا کی تجارت، صنعت، محنت اور دنیا کی پیداوار پر اس طرح قبضہ کر لیا ہے کہ کوئی شخص تجارت، پیداوار، دماغ سوزی اور محنت سے منتفع نہیں ہو سکتا جب تک کہ ان ساہوکاروں کو اس میں سے کچھ حصہ نہ دے دے۔ اس کا علاج کیا ہے؟ کیا یہ کہ ان کے روپے چھین کر غریبوں میں تقسیم کر دیے جائیں اور ان کو پھر ویسا ہی جال پھیلانے کی اجازت دے دی جائے؟ یا یہ کہ اس جال کو ہمیشہ کے لیے فنا کر دیا جائے، یعنی سودی معاملات کو روک دیا جائے تاکہ ہمیشہ کے لیے

.... ان مظالم کا قطعی سد باب ہو جائے ؟

بعض اصحاب جو اقتصادیات سے قطعاً نابلد ہیں، کہا کرتے ہیں کہ ایسی سودخواری جس میں سود زیادہ لیا جائے اور حاجت مندوں یا مفلسوں سے لیا جائے بے شک بری ہے، مگر تاجروں کو جو روپیہ سود پر دیا جائے کہ وہ تجارت کریں یا جو روپیہ بنکوں سے سود کا لیا جائے اس کی برائی کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ تجارت کی ترقی کا ذریعہ ہے۔ ایسے لوگوں کو شائد معلوم نہیں ہے کہ بنک کا کام کیا ہے؟ اور جو روپیہ بنک سے سود کا ملتا ہے وہ دولت مندوں کا ہوتا ہے یا غریبوں کا۔ بنک کو مدد دینا اپنی قوم اپنے ملک، اور ملک کے غریب طبقے اور چھوٹے تاجروں کو اپنے ہاتھوں سے تباہ کرنے کا ہم معنی ہے۔ بلنک میں روپیہ جمع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے ظالمانہ کام کو وسیع پیمانہ پر جاری کر سکے۔ غریب تاجر، غریب کاشتکار، غریب کاریگر سے بڑی رقمیں سود کی وصول کرے اور ان میں سے ایک حصہ ان لالچی جمع کرنے والوں کو بھی دیتا رہے۔ سود کا روپیہ دولت مندوں کے سرمایہ میں سے نہیں ملتا۔ غریبوں ہی کی جیب سے نکل کر آتا ہے۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ بعض کمزور مسلمان سرمایہ داری کے خلاف بھی ہیں اور ظالم سود خواروں کو دولت مند دیکھ کر سودخواری کے جواز کے خواہشمند بھی ہیں۔ اسلامی تعلیم میں اصلاح کے طالب ہیں۔ علماء کے اس پرانے خیال پر روتے ہیں کہ انہوں نے سود سے روک کر ہمیں غریب بنا دیا بعض مولویوں کو ملا کر کم از کم بنک کے سود کے جواز کا فتویٰ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں میں ایسے لوگوں کے خلوص اور نیت پر حملہ نہیں کرنا چاہتا، مگر اس مسئلہ پر مزید غور و فکر کی دعوت دیتا ہوں اگر مسلمانوں میں ہندو کروڑپتی مہاجنوں کی طرح کوئی سود خوار جماعت پیدا نہیں ہوئی تو یہ رونے کی چیز نہیں ہے۔ رونے کی چیز وہ ہو گی کہ غریبوں کو ہم خود لوٹنے لگیں، یا خود نہ لوٹیں مگر لوٹنے والوں کی مدد کریں اور لوٹ کے مال میں حصہ بانٹنے لگیں۔ اگر ہم اس بات کے خواہشمند ہیں کہ ہم میں کروڑپتی

مہاجن پیدا ہوں تو ہمیں یہ بھی پسند کرنا پڑے گا کہ ہم میں تباہ حال شودر بھی پیدا ہوں کیونکہ کروڑپتی زیادہ تر اپنی ہی قوم کو لوٹ کر کروڑپتی بنتے ہیں۔

الغرض دولت اور سرمایہ دنیا کے تمام کاموں کا ایک ضروری جزو ہے۔ تجارت، صنعت و حرفت، علمی ترقی، فن کی تکمیل، سب کے لیے سرمایہ کی ضرورت ہے۔ اسلام نے محنت اور جفاکشی کی طرح سرمایہ کو بھی حصول انتفاع کا ذریعہ تسلیم کیا ہے لیکن جفاکشی اور محنت کرنے والا جس طرح نفع کا مستحق ہوتا ہے اسی طرح نقصان کا بھی ذمہ دار ہوتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح سرمایہ دار کو بھی نفع اور نقصان دونوں کا ذمہ دار ہونا چاہیے۔ اگر تبادلہ میں کوئی حصہ بغیر معاوضہ و بدل کے لیا جائے، یا سرمایہ کے عوض صرف مقررہ نفع لیا جائے اور نقصان کا سرمایہ دار ذمہ دار نہ ہو تو ایسا معاملہ ناجائز اور حرام ہوگا۔ نہ کوئی مسلمان خود ایسا معاملہ کر سکتا ہے، نہ ایسی قوم کیساتھ موافقت کر سکتا ہے جو اس طرح کا معاملہ کرے۔

مسلمانوں پر منجملہ اور فرائض کے ایک فرض یہ بھی ہے کہ دنیا سے ایسے ظالمانہ کاروبار کو مٹائیں کیونکہ یہ چیز دنیا کے کمزور طبقہ کی تباہی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔